

تفہیم القرآن

القمر

نام | پہلی ہی آیت کے فقرہ وَأَنشَأَ الْقَمَرُ سے ماخوذ ہے مطلب یہ ہے کہ وہ سورۃ جس میں نقطہ القمر آیا ہے۔

زمانہ نزول | اس میں شق القمر کے واقعہ کا ذکر آیا ہے جس سے اس کا زمانہ نزول متعین ہو جاتا ہے۔ محدثین و مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے مکہ معظمہ میں منیٰ کے مقام پر پیش آیا تھا۔

موضوع اور مضمون | اس میں کفار مکہ کو اُس ہٹ دھرمی پر متنبہ کیا گیا ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مقابلہ میں اختیار کر رکھی تھی۔ شق القمر کا حیرت انگیز واقعہ اس بات کا صریح نشان تھا کہ وہ قیامت جس کے آنے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے تھے، فی الواقع برپا ہو سکتی ہے، اور اس کی آمد کا وقت قریب آگیا ہے۔ چاند جیسا عظیم الشان گرہ اُن کی آنکھوں کے سامنے پھٹا تھا۔ اس کے دونوں ٹکڑے الگ ہو کر ایک دوسرے سے اتنی دُور چلے گئے تھے کہ زمین سے دیکھنے والوں کو ایک ٹکڑا پہاڑ کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف نظر آیا تھا۔ پھر اُن کی آن میں وہ دونوں پھر مل گئے تھے۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ نظام عالم ازلی و ابدی اور غیر فانی نہیں ہے وہ درہم برہم ہو سکتا ہے۔ بڑے بڑے ستارے اور سیارے پھٹ سکتے ہیں۔ بکھر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ٹکرا سکتے ہیں اور وہ سب کچھ ہو سکتا ہے جس کا نقشہ قیامت کی تفصیلاً

بیان کرتے ہوئے قرآن میں کھینچا گیا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ یہ اس امر کا پتہ بھی دے رہا تھا کہ نظام عالم کے درہم برہم ہونے کا آغاز ہو گیا ہے اور وہ وقت قریب ہے جب قیامت برپا ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حیثیت سے لوگوں کو اس واقعہ کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا، دیکھو اور گواہ رہو۔ مگر کفار نے اسے جادو کا کرشمہ قرار دیا اور اپنے انکار پر جے رے۔ اسی ہٹ دھرمی پر اس سورہ میں انہیں ملامت کی گئی ہے۔

کلام کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ نہ سمجھانے سے مانتے ہیں، نہ تاریخ سے عبرت حاصل کرتے ہیں، نہ آنکھوں سے صریح نشانیاں دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ اب یہ اُسی وقت مانیں گے جب قیامت فی الواقع برپا ہو جائے گی اور قبروں سے نکل کر یہ وادہ عسکر کی طرف دوڑے جارہے ہوں گے۔

اس کے بعد ان کے سامنے قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور آل فرعون کا حال مختصر الفاظ میں بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تنبیہات کو جھٹلا کر یہ قومیں کس دردناک عذاب سے دوچار ہوئیں، اور ایک ایک قوم کا قصہ بیان کرنے کے بعد بار بار یہ بات دہرائی گئی ہے کہ یہ قرآن نصیحت کا آسان ذریعہ ہے جس سے اگر کوئی قوم سبق لے کر راہِ راست پر آجائے تو ان عذابوں کی نوبت نہیں آسکتی جو ان قوموں پر نازل ہوتے۔ اب آخر یہ کیا حماقت ہے کہ اس آسان ذریعہ سے نصیحت قبول کرنے کے بجائے کوئی اسی پر اصرار کرے کہ عذاب دیکھے بغیر نہ مانے گا۔

اس طرح پچھلی قوموں کی تاریخ سے عبرتناک مثالیں دینے کے بعد کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ جس طرزِ عمل پر دوسری قومیں سزا پا چکی ہیں وہی طرزِ عمل اگر تم اختیار کرو تو آخر تم کیوں نہ سزا پاؤ گے؟ کیا تمہارے کچھ سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ تمہارے ساتھ دوسروں سے مختلف معاملہ کیا جاتے؟ یا کوئی خاص معافی نامہ تمہارے پاس لکھا ہوا آگیا ہے کہ جس جرم پر دوسرے پکڑے گئے ہیں وہی تم کو وگے تو تمہیں نہ پکڑا جائے گا؟ اور اگر

تم اپنی جمعیت پر پھولے ہوئے ہو تو غریب تمہاری یہ جمعیت شکست کھا کر بھاگتی نظر آئیگی اور اس سے زیادہ سخت معاملہ تمہارے ساتھ قیامت کے روز ہوگا

آخر میں کفار کو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو قیامت لانے کے لیے کسی بڑی تیاری کی حاجت نہیں ہے۔ اس کا بس ایک حکم ہوتے ہی پلک چھپکاتے وہ برپا ہو جائے گی۔ مگر ہر چیز کی طرح نظامِ عالم اور نوعِ انسانی کی بھی ایک تقدیر ہے۔ اس تقدیر کے لحاظ سے جو وقت اس کام کے لیے مقرر ہے اسی وقت پر وہ ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ جب کوئی چیلنج کرے اُس کو قائل کرنے کے لیے قیامت لا کھڑی کی جائے۔ اس کو آتے نہ دیکھ کر تم سرکشی اختیار کر دو گے تو اپنی شامت اعمال کا نتیجہ بھگتو گے۔ تمہارا کچا چٹھا خدا کے ہاں تیار ہو رہا ہے جس میں تمہاری کوئی چھوٹی یا بڑی حرکت مثبت ہونے سے رہ نہیں گئی ہے۔

اللہ کے نام سے جو رحمن اور رحیم ہے

قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند بھٹ گیا۔ مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ لہ یعنی چاند کا بھٹ جانا اس بات کی علامت ہے کہ وہ قیامت کی گھڑی، جس کے آنے کی تم لوگوں کو خبر دی جاتی رہی ہے، قریب آگئی ہے اور نظامِ عالم کے درہم برہم ہونے کا آغاز ہو گیا ہے۔ نیز یہ واقعہ کہ چاند جیسا ایک عظیم گڑہ شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا، اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ جس قیامت کا تم سے ذکر کیا جا رہا ہے وہ برپا ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب چاند بھٹ سکتا ہے تو زمین بھی بھٹ سکتی ہے، تاروں اور سیاروں کے مدار بھی بدل سکتے ہیں اور افلاک کا یہ سارا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی چیز انہی وابدی اور دائم و مستقل نہیں ہے کہ قیامت برپا نہ ہو سکے۔

بعض لوگوں نے اس فقرے کا مطلب یہ لیا ہے کہ ”چاند بھٹ جائے گا“ لیکن عربی زبان کے لحاظ سے چاہے یہ مطلب لینا ممکن ہو، عبارت کا سیاق و سباق اس معنی کو قبول کرنے سے صاف انکار کرتا ہے۔ اول تو یہ مطلب لینے سے پہلا فقرہ ہی بے معنی ہو جاتا ہے۔ چاند اگر اس کلام کے نزول کے

وقت پھٹا نہیں تھا، بلکہ وہ آئندہ کبھی پھٹنے والا ہے تو اُس کی بنا پر یہ کہنا بالکل مبہل بات ہے کہ قیامت کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ آخر مستقبل میں پیش آنے والا کوئی واقعہ اُس کے قرب کی علامت کیسے قرار پاسکتا ہے کہ اسے شہادت کے طور پر پیش کرنا ایک معقول طرزِ استدلال ہو۔ دوسرے، یہ مطلب لینے کے بعد جب ہم آگے کی عبارت پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ آگے کی عبارت صاف بتا رہی ہے کہ لوگوں نے اُس وقت کوئی نشانی دیکھی تھی جو امکانِ قیامت کی صریح علامت تھی مگر انہوں نے اسے جادو کا کرتب قرار دے کر جھٹلا دیا اور اپنے اس خیال پر جمے رہے کہ قیامت کا آنا ممکن نہیں ہے۔ اس سیاق و سباق میں اَلْشَّقَّ الْقَمَرُ کے الفاظ اُسی صورت میں ٹھیک بیٹھ سکتے ہیں جبکہ ان کا مطلب ”چاند بھٹ گیا“ ہو۔ ”پھٹ جائے گا“ کے معنی میں ان کو لے لیا جائے تو بعد کی ساری بات بے جوڑ ہو جاتی ہے۔ مسئلہ کلام میں اس فقرے کو رکھ کر دیکھ لیجیے، آپ کو خود محسوس ہو جائے گا کہ اس کی وجہ سے ساری عبارت بے معنی ہو گئی ہے :

”قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند بھٹ جائے گا۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ

خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چٹا ہوا جادو ہے۔ انہوں

نے جھٹلا دیا اور اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کی۔“

پس حقیقت یہ ہے کہ شق القمر کا واقعہ قرآن کے صریح الفاظ سے ثابت ہے اور حدیث کی

روایات پر اس کا انحصار نہیں ہے۔ البتہ روایات سے اس کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں اور پتہ چلتا

ہے کہ یہ کب اور کیسے پیش آیا تھا۔ یہ روایات بخاری، مسلم، ترمذی، احمد، ابودعوانہ، ابوداؤد و طبرانی

عبدالرزاق، ابن جریر، بیہقی، طبرانی، ابن مرددویہ اور ابونعیم اصفہانی نے بکثرت سندوں کے ساتھ

حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حذیفہ

حضرت انس بن مالک اور حضرت جبیر بن مطعم سے نقل کی ہیں۔ ان میں سے تین بزرگ، یعنی حضرت

عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ اور حضرت جبیر بن مطعم تصریح کرتے ہیں کہ وہ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔

اور دو بزرگ ایسے ہیں جو اس کے عینی شاہد نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ ان میں سے ایک (یعنی عبداللہ بن عباس)

کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے، اور دوسرے (یعنی انس بن مالک) اُس وقت بچے تھے لیکن چونکہ یہ دونوں حضرات صحابی ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ انہوں نے ایسے سن رسیدہ صحابیوں سے سُن کر ہی اسے روایت کیا ہوگا جو اس واقعہ کا براہ راست علم رکھتے تھے۔

تمام روایات کو جمع کرنے سے اس کی جو تفصیل مسلم اور ابوداؤد نے دی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ہجرت سے تقریباً ۵ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ نمر بن حنیف کی جو دھویں شیشیاں پیارا بھی ابھی طلوع ہوا تھا۔ بچا ایک وہ بچہ تھا اور اس کا ایک ملا ساسی کی پہاڑی کے ایک طرف اور دوسرا ٹکڑا دوسری طرف نظر آیا۔ یہ کیفیت بس ایک ہی لحظہ رہی اور پھر دونوں ٹکڑے باہم جڑ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا دیکھو اور گواہ رہو۔ کفار نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر جادو کر دیا تھا اس لیے ہماری آنکھوں نے دھوکا کھایا۔ دوسرے لوگ بولے کہ محمد ہم پر جادو کر سکتے تھے، تمام لوگوں پر تو نہیں کر سکتے تھے۔ باہر کے لوگوں کو آنے دو۔ ان سے پوچھیں گے کہ یہ واقعہ انہوں نے بھی دیکھا ہے یا نہیں۔ باہر سے جب کچھ لوگ آئے تو انہوں نے شہادت دی کہ وہ بھی یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔ بعض روایات جو حضرت انس سے مروی ہیں ان کی بنا پر یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ ششیا کا واقعہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ پیش آیا تھا۔ لیکن اول تو صحابہ میں سے کسی اور نے یہ بات بیان نہیں کی ہے۔ دوسرے خود حضرت انس کی بھی بعض روایات میں مرتبہ دو مرتبہ کے الفاظ ہیں اور بعض میں مرتبہ اور تیسرے کے الفاظ تیسرے یہ کہ قرآن مجید صرف ایک ہی اشتقاق کا ذکر کرتا ہے۔ اس بنا پر صحیح بات یہ ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش آیا تھا۔ رہے وہ وقت جو عوام میں مشہور ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور یہ کہ چاند کا ایک ٹکڑا حضور کے گریبان میں داخل ہو کر آپ کی آستین سے نکل گیا، تو یہ بالکل ہی بے اصل ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی حقیقی نوعیت کیا تھی؟ کیا یہ ایک معجزہ تھا جو کفار مکہ کے مطالبہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کے ثبوت میں دکھایا تھا؟ یا یہ ایک

حادثہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے چاند میں پیش آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اُس کی طرف توجہ صرف اس غرض کے لیے دلائی کہ یہ امکان قیامت اور قُرب قیامت کی ایک نشانی ہے؛ علماء اسلام کا ایک بڑا گروہ اسے حضور کے معجزات میں شمار کرتا ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ کُفّاء کے مطالبہ پر یہ معجزہ دکھایا گیا تھا لیکن اس رائے کا مدار صرف بعض اُن روایات پر ہے جو حضرت انس سے مروی ہیں۔ اُن کے سوا کسی صحابی نے بھی یہ بات بیان نہیں کی ہے۔ فتح الباری میں ابن حجر کہتے ہیں کہ ”یہ قصہ جتنے طریقوں سے منقول ہوا ہے ان میں سے کسی میں بھی حضرت انس کی حدیث کے سوا یہ مضمون میری نگاہ سے نہیں گزرا کہ شق التمر کا واقعہ مشرکین کے مطالبہ پر ہوا تھا۔“

ایک روایت ابو نعیم اصفہانی نے دلائل النبوة میں حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی اس مضمون کی نقل کی ہے، مگر اس کی سند ضعیف ہے، اور قوی سندوں سے جتنی روایات کتب جہدِ حدیث میں ابن عباس سے منقول ہوتی ہیں ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے۔ علاوہ بریں حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عباس، دونوں اس واقعہ کے ہم عصر نہیں ہیں۔ بخلاف اس کے جو صحابہ اُس زمانے میں موجود تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عذیقہ، حضرت جُبَیر بن مطعم، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ان میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضور کی صداقت کے ثبوت میں کسی نشانی کا مطالبہ کیا تھا اور اس پر شق التمر کا یہ معجزہ ان کو دکھایا گیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن مجید خود بھی اس واقعہ کو رسالتِ محمدی کی نہیں بلکہ قُرب قیامت کی نشانی کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ البتہ یہ اس لحاظ سے حضور کی صداقت کا ایک نمایاں ثبوت ضرور تھا کہ آپ نے قیامت کے آنے کی جو خبریں لوگوں کو دی تھیں، یہ واقعہ اُن کی تصدیق کر رہا تھا۔

مقرنین اس پر دو طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ اول تو ان کے نزدیک ایسا ہونا ممکن ہی نہیں ہے کہ چاند جیسے عظیم کُرے کے دو ٹکڑے پھٹ کر الگ ہو جائیں اور سینکڑوں میل کے فاصلے تک ایک دوسرے سے دُور جانے کے بعد پھر باہم جُڑ جائیں۔ دوسرے، وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو یہ واقعہ دنیا بھر میں مشہور ہو جاتا، تاریخوں میں اس کا ذکر آتا، اور علم نجوم کی کتابوں میں اسے

کوئی نشانی دیکھ لیں، منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو حلتا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے اس کو بیان کیا جاتا لیکن درحقیقت یہ دونوں اعتراضات بے وزن ہیں۔ جہاں تک اس کے امکان کی بحث ہے، قدیم زمانے میں تو شاید وہ چل بھی سکتی تھی، لیکن موجودہ دور میں تیاریوں کی ساخت کے متعلق انسان کو جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کی بنا پر یہ بات بالکل ممکن ہے کہ ایک کمرہ اپنے اندر کی آتش فشاں کی بحث پھٹ جائے اور اس زبردست انفجار سے اس کے دو ٹکڑے دو ٹکڑے چلے جائیں، اور پھر اپنے مرکز کی مقناطیسی قوت کے سبب سے وہ ایک دوسرے کے ساتھ آلیں۔ رہا دوسرا اعتراض تو وہ اس لیے بے وزن ہے کہ یہ واقعہ اچانک بس ایک لمحہ کے لیے پیش آیا تھا ضروری نہیں تھا کہ اس خاص لمحے میں دنیا بھر کی نگاہیں چاند کی طرف لگی ہوئی ہوں۔ اس سے کوئی دھماکا نہیں ہوا تھا کہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوتی۔ پہلے سے کوئی اطلاع اُس کی نہ تھی کہ لوگ اس کے منتظر ہو کر آسمان کی طرف دیکھ رہے ہوتے۔ پوری روئے زمین پر اسے دیکھا بھی نہیں جاسکتا تھا، بلکہ صرف عرب اور اس کے مشرقی جانب کے ممالک ہی میں اُس وقت چاند نکلا ہوا تھا۔ تاریخ نگاری کا ذوق اور فن بھی اُس وقت تک اتنا ترقی یافتہ نہ تھا کہ مشرقی ممالک میں جن لوگوں نے اسے دیکھا ہوا وہ اسے ثبت کر لیتے اور کسی مؤرخ کے پاس یہ شہادتیں جمع ہوتیں اور وہ تاریخ کی کسی کتاب میں ان کو درج کر لیتا۔ تاہم مالا بار کی تاریخوں میں یہ ذکر آیا ہے کہ اُس رات وہاں کے ایک راجہ نے یہ منظر دیکھا تھا۔ رہیں علم نجوم کی کتابیں اور خبیراں، تو ان میں اس کا ذکر آنا صرف اُس حالت میں ضروری تھا جبکہ چاند کی رفتار، اور اس کی گردش کے راستے، اور اس کے طلوع و غروب کے اوقات میں اس سے کوئی فرق واقع ہوا ہوتا۔ یہ صورت چونکہ پیش نہیں آئی اس لیے قدیم زمانے کے اہل نجوم کی توجہ اس کی طرف منعطف نہیں ہوئی۔ اُس زمانے میں رصد گاہیں اس حد تک ترقی یافتہ نہ تھیں کہ افلاک میں پیش آنے والے ہر واقعہ کا نوٹس لیتیں اور اس کو ریکارڈ پر محفوظ کر لیتیں۔

۱۔ اصل الفاظ ہیں سَحَرٌ مُّسْتَمِرٌّ۔ اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ معاذ اللہ، شبِ روز کی جادوگری کا جو سلسلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چلا رکھا ہے، یہ جادو بھی اسی میں سے ہے۔ دوسرے

بھی، جھٹلادیا اور اپنی خواہشاتِ نفس ہی کی پیروی کی تھے۔ ہر معاملہ کو آخر کار ایک انجام پر پہنچ کر رہنا ہے۔

ان لوگوں کے سامنے رکھ چلی قوموں کے، وہ حالات آچکے ہیں جن میں سرکشی سے باز رکھنے کے لیے کافی سامانِ عبرت ہے اور ایسی حکمت جو نصیحت کے مقصد کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے۔ مگر تنبیہات ان پر کارگر نہیں ہوتیں۔ پس اُسے نبی، ان سے رُخ پھیر لو۔ جس روز پکارنے والا ایک

یہ کہ یہ پکا جادو ہے، بڑی مہارت سے دکھایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ جس طرح اور جادو گزر گئے ہیں، یہ بھی گزر جائے گا، اس کا کوئی دیر پا اثر رہنے والا نہیں ہے

۳۷ یعنی جو فیصلہ انہوں نے قیامت کو نہ ماننے کا کر رکھا ہے، اس نشانی کو دیکھ کر بھی یہ اُسی پر جے رہے۔ قیامت کو مان لینا چونکہ ان کی خواہشاتِ نفس کے خلاف تھا اس لیے صریح مشاہدے کے بعد بھی یہ اُسے تسلیم کرنے پر راضی نہ ہوئے۔

۳۸ مطلب یہ ہے کہ یہ سلسلہ بلا نہایت نہیں چل سکتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حق کی طرف بلاتے رہیں، اور تم ہٹ دھرمی کے ساتھ اپنے باطل پر جے رہو، اور اُن کا حق پر ہونا اور تمہارا باطل پر ہونا کبھی ثابت نہ ہو۔ تمام معاملات آخر کار ایک انجام کو پہنچ کر رہتے ہیں، اسی طرح تمہاری اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کشمکش کا بھی لامحالہ ایک انجام ہے جس پر یہ پہنچ کر رہے گی۔ ایک وقت لازماً ایسا آئے گا جب علی الاعلان یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ حق پر تھے اور تم سراسر باطل کی پیروی کر رہے تھے۔ اسی طرح حق پرست اپنی حق پرستی کا، اور باطل پرست اپنی باطل پرستی کا نتیجہ بھی ایک دن ضرور دیکھ کر رہیں گے۔

۳۹ الفاظِ دیگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ جب انہیں زیادہ سے زیادہ معقول طریقہ سے سمجھایا جا چکا ہے، اور انسانی تاریخ سے مثالیں دے کر بھی بتایا گیا ہے کہ انکارِ آخرت کے نتائج کیا ہیں اور رسولوں کی بات نہ ماننے کا کیا عبرتناک انجام دوسری قومیں دیکھ چکی ہیں، پھر بھی یہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے، تو انہیں اسی حماقت میں پُرا رہنے دو۔ اب یہ اُسی وقت مانیں گے

سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا، لوگ سہمی ہوئی نگاہوں کے ساتھ اپنی قبروں سے اس طرح نکلیں گے گویا وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔ پکارنے والے کی طرف دوڑے جارہے ہونگے اور وہی منکرینِ احوال دنیا میں اس کا انکار کرتے تھے، اُس وقت کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا کھٹن ہے۔

ان سے پہلے فوج کی قوم جھٹلا چکی ہے۔ انہوں نے ہمارے بندے کو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ

جب مرنے کے بعد قبروں سے نکل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ وہ قیامت واقعی برپا ہو گئی جس سے قبل از وقت خبردار کر کے راہِ راست اختیار کر لینے کا مشورہ انہیں دیا جا رہا تھا۔

۱۷ دوسرا مطلب انجانی چیز بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ایسی چیز جو کبھی اُن کے سامان میں بھی نہ تھی، جس کا کوئی نقشہ اور کوئی تصور ان کے ذہن میں نہ تھا، جس کا کوئی اندازہ ہی وہ نہ کر سکتے تھے کہ یہ کچھ بھی کبھی پیش آ سکتا ہے۔

۱۸ اصل الفاظ ہیں خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ۔ یعنی اُن کی نگاہیں خشوع کی حالت میں ہونگی۔ اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُن پر خوفِ زدگی طاری ہوگی۔ دوسرے یہ کہ ذلت اور زدامت اُن سے جھلک رہی ہوگی کیونکہ قبروں سے نکلنے ہی انہیں محسوس ہو جائے گا کہ یہ وہی دوسری زندگی ہے جس کا ہم انکار کرتے تھے، جس کے لیے کوئی تیاری کر کے ہم نہیں آئے ہیں، جس میں اب مجرم کی حیثیت سے ہمیں اپنے خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ گھبراہٹے اُس ہونا کہ منتظر کو دیکھ رہے ہونگے جو اُن کے سامنے ہوگا، اُس سے نظر اٹھانے کا انہیں ہوش نہ ہوگا۔

۱۹ قبروں سے مراد وہی قبریں نہیں ہیں جن میں کسی شخص کو زمین بھود کر باقاعدہ دفن کیا گیا ہو۔ بلکہ جس جگہ بھی کوئی شخص مرا تھا یا جہاں بھی اس کی خاک پڑی ہوئی تھی، وہیں سے وہ محشر کی طرف پکارنے والے کی ایک آواز پر اٹھ کھڑا ہوگا۔

۲۰ یعنی اس خبر کو جھٹلا چکی ہے کہ آخرت برپا ہونی ہے جس میں انسان کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اُس نبی کی نبوت کو جھٹلا چکی ہے جو اپنی قوم کو اس حقیقت سے آگاہ کر رہا تھا، اور نبی کی اُس تعلیم کو جھٹلا چکی ہے جو یہ بتاتی تھی کہ آخرت کی باز پرس میں کامیاب ہونے کے لیے لوگوں کو کیا عقیدہ اور کیا

یہ دیوانہ ہے، اور وہ بُری طرح جھڑکا گیا۔ آخر کار اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ ”میں مغلوب ہو چکا، اب تو ان سے انتقام لے۔“ تب ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین کو بچاڑ کر چشموں میں تبدیل کر دیا، اور یہ سارا پانی اُس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گیا جو مقدمہ ہو چکا تھا، اور فوج کو ہم نے ایک تختوں اور کیلوں والی پر سوار کر دیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ تھا بدلہ اُس شخص کی خاطر جس کی ناقدری کی گئی تھی۔ اُس کشتی کو ہم نے ایک نشانی بنا کر چھوڑ دیا، پھر کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟ دیکھ لو، کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔

عمل اختیار کرنا چاہیے اور کس چیز سے بچنا چاہیے۔

۱۱۔ یعنی ان لوگوں نے محض نبی کی تکذیب ہی پر اکتفا نہ کیا، بلکہ اٹا اسے دیوانہ قرار دیا، اس کو دھکیا دیں، اس پر لعنت ملامت کی بوچھاڑ کی، اسے ڈانٹ ڈپٹ کر صداقت کی تبلیغ سے باز رکھنے کی کوشش کی، اور اس کا جینا دو بھر کر دیا۔

۱۲۔ یعنی اللہ کے حکم سے زمین اس طرح پھوٹ ہی کہ گویا وہ زمین نہ تھی بلکہ بس چٹے ہی چٹے تھے۔
۱۳۔ مراد ہے وہ کشتی جو طوفان کی آمد سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق حضرت نوح نے بنائی تھی۔
۱۴۔ اصل الفاظ ہیں جَزَاءِ لِمَنْ كَانَتْ كُفْرًا، یعنی ”یہ سب کچھ اُس شخص کی خاطر بدلہ لینے کے لیے کیا گیا جس کا کفر کیا گیا تھا“ کفر اگر انکار کے معنی میں ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ ”جس کی بات ماننے سے انکار کیا گیا تھا“ اور اگر اسے کفرانِ نعمت کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ ”جس کا وجود ایک نعمت تھا مگر اُس کی ناقدری کی گئی تھی۔“

۱۵۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اس عقوبت کو ایک نشانِ عبرت بنا کر چھوڑ دیا۔ لیکن ہمارے نزدیک زیادہ قابلِ ترجیح معنی یہ ہیں کہ اُس کشتی کو نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔ ایک بلند و بالا پہاڑ پر اس کا موجود ہونا سینکڑوں ہزاروں برس تک لوگوں کو خدا کے غضب سے خبردار کرتا رہا اور انہیں یاد دلاتا رہا کہ اس سزائے پر خدا کی نافرمانی کرنے والوں کی کیسی شامت آئی تھی اور ایمان لانے والوں کو کس طرح اس سے بچا گیا تھا۔ امام بخاری، ابن ابی حاتم، عبد الرزاق اور ابن جریر نے قنادہ سے یہ روایات نقل کی ہیں کہ مسلمانوں کی فتح

ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟
عاد نے جھٹلایا، تو دیکھ لو کہ کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم نے ایک
پیہم نحوست کے دن سخت طوفانی ہوا اُن پر بھیج دی جو لوگوں کو اٹھا اٹھا کر اس طرح پھینک رہی

عراق و انجزیرہ کے زمانے میں یہ کشتی جو دی پر دا اور ایک روایت کے مطابق باقرہ نامی بستی کے قریب، موجود
تھی اور ابتدائی دور کے اہل اسلام نے اس کو دیکھا تھا۔ موجودہ زمانے میں بھی ہوائی جہازوں سے پرواز
کرتے ہوئے بعض لوگوں نے اس علاقے کی ایک چوٹی پر ایک کشتی ناچیز ٹرپی دیکھی ہے جس پر شبہ کیا جاتا
ہے کہ وہ سفینہ نوح ہے، اور اسی بنا پر وقتاً فوقتاً اس کی تلاش کے لیے مہمات جاتی رہی ہیں۔ درمزیہ
تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، الاعراف، حاشیہ ۴، ہود، حاشیہ ۶، العنکبوت، حاشیہ ۲۵

۱۵ بعض لوگوں نے یَسْرُنَا الْقُرْآن کے الفاظ سے یہ غلط مطلب نکال لیا ہے کہ قرآن ایک آسان
کتاب ہے، اسے سمجھنے کے لیے کسی علم کی ضرورت نہیں جتنی کہ عربی زبان تک سے واقفیت کے بغیر جو شخص چاہے
اس کی تفسیر کر سکتا ہے اور حدیث و فقہ سے بے نیاز ہو کر اُس کی آیات سے جو احکام چاہے مستنبط کر سکتا ہے۔
حالانکہ جس سیاق و سباق میں یہ الفاظ آتے ہیں اُس کو نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس
ارشاد کا مدعا لوگوں کو یہ سمجھانا ہے کہ نصیحت کا ایک ذریعہ تو ہیں وہ عبرتناک عذاب جو سرکش قوموں پر
نازل ہوتے، اور دوسرا ذریعہ ہے یہ قرآن جو دلائل اور وعظ و تلقین سے تم کو سیدھا راستہ بتا رہا ہے۔
اُس ذریعہ کے مقابلے میں نصیحت کا یہ ذریعہ زیادہ آسان ہے۔ پھر کیوں تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے
اور عذاب ہی دیکھنے پر اصرار کیسے جلتے ہو؟ یہ تو سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اپنے نبی کے ذریعہ سے
یہ کتاب بھیج کر وہ تمہیں خبردار کر رہا ہے کہ جن راہوں پر تم لوگ جا رہے ہو وہ کس تباہی کی طرف جاتی ہیں
اور تمہاری خیر کس راہ میں ہے نصیحت کا یہ طریقہ اسی لیے تو اختیار کیا گیا ہے کہ تباہی کے گڑھے میں گرنے
سے پہلے تمہیں اس سے بچایا جائے۔ اب اُس سے زیادہ نادان اور کون ہو گا جو سیدھی طرح سمجھانے سے
زمانے اور گڑھے میں گر کر ہی یہ تسلیم کرے کہ واقعی یہ گڑھا تھا

۱۶ یعنی ایک ایسے دن جس کی نحوست کئی روز تک مسلسل جاری رہی۔ سورہ حم السجدہ، آیت ۱۶ میں

تھی جیسے وہ جڑے اکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔ پس دیکھ لو کہ کیسا تھا میرا عذاب اور کسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

ثمود نے تنبیہات کو جھٹلایا اور کہنے لگے ”ایک اکیلا آدمی جو ہم ہی میں سے ہے کیا اب ہم اس کے پیچھے چلیں؟ اس کا اتباع ہم قبول کر لیں تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہم بہک گئے ہیں اور جاری

فی آیاتِ تحسّاتِ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں، اور سورہ الحاقة آیت ۷ میں فرمایا گیا ہے کہ ہوا کا یہ طوفان مسلسل سات رات اور آٹھ دن جاری رہا۔ مشہور یہ ہے کہ جس دن یہ عذاب شروع ہوا وہ بدھ کا دن تھا۔ اسی سے لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ بدھ کا دن منحوس ہے اور کوئی کام اس دن شروع نہ کرنا چاہیے۔ بعض نہایت ضعیف احادیث بھی اس سلسلے میں نقل کی گئی ہیں جن سے اس دن کی نحوست کا عقیدہ عوام کے ذہن میں بیٹھ گیا ہے۔ مثلاً ابن مژوہ اور خطیب بغدادی کی یہ روایت کہ آخر اربعاء فی الشہد یوم نحس مستمر (مہینے کا آخری بدھ منحوس ہے جس کی نحوست مسلسل جاری رہتی ہے)۔ ابن جوزی اسے شروع کہتے ہیں ابن ربیع کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ جتنے طریقوں سے یہ منقول ہوئی ہے وہ سب واپسی ہیں۔ اسی طرح طبرانی کی اس روایت کو بھی محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے کہ یوم الاربعا یوم نحس مستمر (بدھ کا دن پچھم نحوست کا دن ہے)۔ بعض اور روایات میں یہ باتیں بھی مروی ہیں کہ بدھ کو سفر نہ کیا جائے، لین دین نہ کیا جائے، ناخن نہ کٹوائے جائیں، مرضی کی عیادت نہ کی جائے، اور یہ کہ جذام اور برص اسی روز شروع ہوتے ہیں۔ مگر یہ تمام روایات ضعیف ہیں اور ان پر کسی عقیدے کی بنا نہیں رکھی جاسکتی۔ محقق مناوی کہتے ہیں: توقی الاربعاء علی جهة الطیرۃ وظن اعتقاد المنجبین حرام شدید التحريم، اذ الايام کلها لله تعالی لا تتفع ولا تصرف انتھائی بدفالی کے خیال سے بدھ کے دن کو منحوس سمجھ کر چھوڑنا اور نجومیوں کے سے اعتقادات اس باب میں رکھنا حرام، سخت حرام ہے، کیونکہ سارے دن اللہ کے ہیں، کوئی دن بذات خود نہ نفع پہنچانے والا ہے نہ نقصان۔ اور علامہ آلوسی کہتے ہیں ”سارے دن یکساں ہیں، بدھ کی کوئی تخصیص نہیں۔ رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں ہے جو کسی کے لیے اچھی اور کسی کے لیے

عقل ماری گئی ہے۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا؟ تہیں، بلکہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور بر خود غلط ہے۔ ”ہم نے اپنے پیغمبر سے کہا، ”کل ہی انہیں معلوم ہوا جاتا ہے کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور بر خود غلط ہے۔ ہم اونٹنی کو ان کے لیے فتنہ بنا کر بھیج رہے ہیں۔ اب ذرا صبر کے ساتھ دیکھ کہ ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ان کو بتا دے کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔“ آخر کار ان لوگوں

کے لیے بری نہ ہو۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کسی کے لیے موافق اور کسی کے لیے ناموافق حالات پیدا کرتا رہتا ہے۔
 اے بانناظ دیگر حضرت صالح کی پیروی سے ان کا انکار تین وجوہ سے تھا۔ ایک یہ کہ وہ بشر ہیں، انشت سے بالاتر نہیں ہیں کہ ہم ان کی بُرائی مان لیں۔ دوسرے یہ کہ وہ ہماری اپنی ہی قوم کے ایک فرد ہیں۔ ہم پر ان کی فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ اکیلے ہیں، ہمارے عام آدمیوں میں سے ایک آدمی ہیں، کوئی بُرے سروار نہیں ہیں جس کے ساتھ کوئی بُرا جتھا ہو، لاؤ لشکر ہو، خدم دشمن ہوں، اور اس بنا پر ہم ان کی بُرائی تسلیم کریں۔ وہ چاہتے تھے کہ نبی یا تو کوئی فوق البشر ہستی ہو، یا اگر وہ انسان ہی ہو تو ہمارے اپنے ملک اور قوم میں پیدا نہ ہوا ہو، بلکہ کہیں اور پر سے اتر کر آئے یا باہر سے بھیجا جائے، اور اگر یہ بھی نہیں تو کم از کم اسے کوئی رئیس ہونا چاہیے جس کی غیر معمولی شان و شوکت کی وجہ سے یہ مان لیا جائے کہ ہماری رہنمائی کے لیے خدا کی نظر انتخاب اس پر پڑی ہے۔ یہی وہ جہالت تھی جس میں کفار مکہ مبتلا تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ماننے سے ان کا انکار بھی اسی بنیاد پر تھا کہ آپ بشر ہیں، عام آدمیوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، کل ہمارے ہی درمیان پیدا ہوئے اور آج یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ مجھے خدا نے نبی بنا دیا ہے۔
 اہل اصل میں لفظ آشیر استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں ایسا خود پسند اور بر خود غلط شخص جس کے دماغ میں اپنی بُرائی کا سودا سا گیا ہو اور اس بنا پر وہ ڈنگیں مارتا ہو۔

۱۰۔ یہ تشریح ہے اس ارشاد کی کہ ”ہم اونٹنی کو ان کے لیے فتنہ بنا کر بھیج رہے ہیں۔“ وہ فتنہ یہ تھا کہ یکا یک ایک اونٹنی لا کر ان کے سامنے کھڑی کر دی گئی اور ان سے کہہ دیا گیا کہ ایک دن یہ اکیلی پانی پیے گی اور دوسرے دن تم سب لوگ اپنے لیے اور اپنے جانوروں کے لیے پانی لے سکو گے۔ اس کی باری

نے اپنے آدمی کو پکارا اور اُس نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔ پھر دیکھ لو کہ کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم نے اُن پر بس ایک ہی دھماکا چھوڑا اور وہ باڑے والے کی روندی ہوئی باڑھ کی طرح پھس ہو کر رہ گئے۔ ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، اب ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

لوط کی قوم نے تنبیہات کو جھٹلایا اور ہم نے پتھر اڑا کرنے والی ہوا اس پر بھیج دی۔ صرٹ لوط کے گھر والے اُس سے محفوظ رہے، اُن کو ہم نے اپنے فضل سے رات کے پچھلے پہر بچا کر نکال دیا، یہ جزا دیتے ہیں ہم ہر اُس شخص کو جو شکر گزار ہوتا ہے۔ لوط نے اپنی قوم کے لوگوں کو ہماری پکڑ سے خبردار کیا مگر وہ ساری تنبیہات کو مشکوک سمجھ کر باتوں میں اڑاتے رہے۔ پھر انہوں نے اُسے اپنے مہمانوں کی حفاظت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ آخر کار ہم نے اُن کی آنکھیں موند دیں

کے دن تم میں سے کوئی شخص کسی چشمے اور کنوئیں پر نہ خود پانی لینے کیلئے آئے، نہ اپنے جانوروں کو پلانے کے لیے لائے۔ یہ چیلنج اُس شخص کی طرف سے دیا گیا تھا جس کے متعلق وہ خود کہتے تھے کہ یہ کوئی لاؤشکر نہیں رکھتا نہ کوئی بڑا جتنا اس کی نشت پر ہے۔

۱۷۔ ان الفاظ سے خود بخود یہ صورت حال مترشح ہوتی ہے کہ وہ اونٹنی ایک مدت تک ان کی متبیہات میں زندگاتی پھری۔ اس کی باری کے دن کسی کو پانی پر آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آخر کار اپنی قوم کے ایک من چلے سردار کو انہوں نے پکارا کہ تو بڑا جری اور میاں آدمی ہے، بات بات پر آستینیں چڑھا کر مارنے اور مرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے، ذرا ہمت کر کے اس اونٹنی کا قصہ بھی پاک کر دکھا۔ اُن کے بڑھاوے چڑھاوے دینے پر اُس نے یہ مہم سر کرنے کا بیڑا اٹھالیا اور اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ اس اونٹنی سے سخت مرعوب تھے، ان کو یہ احساس تھا کہ اس کی نشت پر کوئی غیر معمولی طاقت ہے، اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے وہ ڈرتے تھے، اور اسی بنا پر محض ایک اونٹنی کو مار ڈالنا، ایسی حالت میں بھی جبکہ اس کے پیش کرنے والے پیغمبر کے پاس کوئی فوج نہ تھی جس کا انہیں ڈر ہوتا، اُن کے لیے ایک بڑی مہم سر کرنے کا ہم معنی تھا۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، الاعراف حاشیہ ۵۔ الشعراء

کہ چکھو اب میرے عذاب اور میری تنبیہات کا مزہ۔ صبح سویرے ہی ایک اٹل عذاب نے ان کو آیا۔ چکھو مزہ اب میرے عذاب کا اور میری تنبیہات کا۔ ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

اور آلِ فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئی تھیں، مگر انہوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلایا۔ آخر کو ہم نے انہیں پکڑا جس طرح کوئی زبردست قدرت والا پکڑا کرتا ہے۔

حاشیہ ۱۰۴-۱۰۵۔

۱۰۴ جو لوگ مویشی پالتے ہیں وہ اپنے جانوروں کے باڑے کو محفوظ کرنے کے لیے لکڑیوں اور جھاڑوں کی ایک باڑہ بنا دیتے ہیں۔ اس باڑہ کی جھاڑیاں رفتہ رفتہ سوکھ کر جھڑ جاتی ہیں اور جانوروں کی آمدورفت سے پامال ہو کر ان کا براؤہ بن جاتا ہے۔ قوم ثمود کی کچلی ہمدانی بوسیدہ لاشوں کو اسی برادے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۰۵ اس قصے کی تفصیلات سورہ ہود آیات ۷۴ تا ۸۳، اور سورہ حجر آیات ۶۱ تا ۷۷ میں گزر چکی ہیں۔ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو نہایت خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے ہاں مہمان کے طور پر بھیج دیا۔ ان کی قوم کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے ہاں ایسے خوبصورت مہمان آتے ہیں تو وہ ان کے گھر پر چڑھ دوڑے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ان مہمانوں کو بدکاری کے لیے ان کے حوالہ کر دیں۔ حضرت لوط نے ان کی بے انتہا منت سماجت کی کہ وہ اس ذلیل حرکت سے باز رہیں۔ مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر زبردستی مہمانوں کو نکال لینے کی کوشش کی۔ اس آخری مرحلے پر یکایک ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ وہ اور ان کے گھر والے صبح ہونے سے پہلے اس بستی سے نکل جائیں، اور ان کے نکلنے ہی اس قوم پر ایک ہولناک عذاب نازل ہو گیا۔ بائبل میں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ”تب وہ اُس مرد یعنی لوط پر پل پڑے اور نزدیک آئے تاکہ کوڑ توڑ ڈالیں۔ لیکن اُن مردوں (یعنی فرشتوں) نے اپنے ہاتھ بڑھا کر لوط کو اپنے پاس گھر میں کھینچ

کیا تمہارے کفار کچھ اُن لوگوں سے بہتر ہیں؟ یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے؟ یا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایک مضبوط جتنا ہیں، اپنا بچاؤ کر لیں گے؟ عنقریب یہ جتنا شکست کھا جائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔ بلکہ ان سے نمٹنے کے لیے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور وہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ساعت ہے۔ یہ مجرم لوگ درحقیقت غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور ان کی عقل ماری گئی ہے جس روز یہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے اس روز ان سے کہا جائے گا کہ اب چکھو جہنم کی لپٹ کا مزا۔

ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے، اور ہمارا حکم بس ایک ہی حکم ہوتا ہے اور لیا اور دروازہ بند کر دیا اور ان مردوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے، کیا چھوٹے کیا بڑے، اندھا کر دیا، سوڈا دروازہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے“ (پیدائش، ۱۹: ۹-۱۱)۔

۲۳ خطاب ہے قریش کے لوگوں سے۔ مطلب یہ ہے کہ تم میں آخر کیا خوبی ہے، کون سے عمل تمہارے لئے ہوئے ہیں کہ جس کفر اور تکذیب اور مٹ دھری کی روش پر دوسری قوموں کو سزا دی جا چکی ہے وہی روش تم اختیار کرو تو تمہیں سزا نہ دی جائے۔

۲۴ یہ صریح پیشگوئی ہے جو ہجرت سے پانچ سال پہلے کر دی گئی تھی کہ قریش کی جمعیت، جس کی طاقت کا انہیں بڑا زعم تھا، عنقریب مسلمانوں سے شکست کھا جائے گی۔ اُس وقت کوئی شخص تصور نہ کر سکتا تھا کہ مستقبل قریب میں یہ انقلاب کیسے ہوگا۔ مسلمانوں کی بے بسی کا حال یہ تھا کہ ان میں سے ایک گروہ مکہ چھوڑ کر حبش میں، پناہ گزیں ہو چکا تھا، اور باقی ماندہ اہل ایمان شعب ابی طالب میں محصور تھے جنہیں قریش کے متاعہ اور محاصرہ نے بھوکوں مار دیا تھا۔ اس حالت میں کون یہ سمجھ سکتا تھا کہ سات ہی برس کے اندر نقشہ بدل جانے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگرد و علمبردار کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، جب سورہ قمر کی یہ آیت نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ آخر یہ کونسی جمعیت ہے جو شکست کھائے گی۔ مگر جب جنگ بدر میں کفار شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اُس وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زورہ پہنے ہوئے آگے کی

پلک جھپکاتے وہ عمل میں آجاتا ہے۔ تم جیسے بہت سوں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں، پھر ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ سب دفتروں میں درج ہے اور ہر چھوٹی بڑی بات لکھی ہوئی موجود ہے۔

نازانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور بہروں میں ہونگے، سچی عزت کی جگہ بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب۔

طرف جھپٹ رہے ہیں اور آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہیں کہ سَيُنْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ تب میری سمجھ میں آیا کہ یہ بھی وہ ہزیمت جس کی خبر دی گئی تھی (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم) ۲۵ یعنی دنیا کی کوئی چیز بھی اہل ثب نہیں پیدا کر دی گئی ہے، بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق وہ ایک مقرر وقت پر بنتی ہے، ایک خاص شکل اختیار کرتی ہے، ایک خاص مدت تک نشوونما پاتی ہے۔ ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے، اور ایک خاص وقت پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسی عالمگیر ضابطہ کے مطابق خود اس دنیا کی بھی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق ایک وقت خاص تک یہ چل رہی ہے اور ایک وقت خاص ہی پر اسے ختم ہونا ہے۔ جو وقت اس کے خاتمہ کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے نہ اس سے ایک گھڑی پہلے یہ ختم ہوگی، نہ اس کے ایک گھڑی بعد یہ باقی رہے گی۔ یہ نہ ازلی وابدی ہے کہ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ قائم رہے۔ اور نہ کسی بچے کا کھلونا ہے کہ جب تم کہو اسی وقت وہ اسے توڑ پھوڑ کر دکھا دے۔

۲۶ یعنی قیامت برپا کرنے کے لیے ہمیں کوئی بڑی تیاری نہیں کرنی ہوگی اور نہ اسے لانے میں کوئی بڑی مدت ضرر ہوگی۔ ہماری طرف سے بس ایک حکم صادر ہونے کی دیر ہے۔ اس کے صادر ہونے ہی پلک جھپکا وہ برپا ہو جائیگی۔ ۲۷ یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی خدا کے حکیم و عادل کی خدائی نہیں بلکہ کسی اندھے راجہ کی چوٹ نگری ہے جس میں آدمی جو کچھ چاہے کرتا پھرے، کوئی اس سے باز پرس کرنے والا نہیں ہے، تو تمہاری آنکھیں کھولنے کے لیے انسانی تاریخ موجود ہے جس میں اسی روش پر چلنے والی قومیں پہلے پہلے تباہ کی جاتی رہی ہیں۔

۲۸ یعنی یہ لوگ اس غلط فہمی میں بھی نہ رہیں کہ ان کا کیا دھرا کہیں غائب ہو گیا ہے۔ نہیں، ہر شخص ہر گروہ اور ہر قوم کا پورا ریکارڈ محفوظ ہے اور اپنے وقت پر وہ سامنے آجائے گا۔